ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

تجدید ایمان کی ضرورت

”دنیا کو آج اس تر و تازہ ایمان کی شدید ضرورت ہے جو آدمی کی پوری زندگی کو اپنے تابع کرے، مگر یہی ضروری چیز ہے جو دنیا سے ناپید ہوگئی، آج یورپ کے کارخانوں نے دنیا کی ہر ضروری بلکہ غیر ضروری چیز بھی بنا ڈالی ہے اور ہر ضرورت مند بازار سے خرید سکتا ہے مگر وہ چیز جس کو پیدا کرنے سے یورپ کے کارخانے بھی عاجز ہیں یہی خالدؓ و ابوذرؓ کا ایمان ہے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کو غیر معمولی حالات کا سامنا ہے، اس لیے ہمیں اپنے ایمان میں غیر معمولی تازگی اور اپنی زندگی میں غیر معمولی تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

Rs. 15/-

June 2021

ایمان واستقامت کے جوہر

مولانا ابوالکلام آزادؒ

''ہاں جب کہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی مغرور طاقت بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، تو ایک طاقت ہے جو ہمیں پل بھر کے اندر پاش پاش کر سکتی ہے۔ وہ کون ہے؟

وہ خود ہم ہیں اور ہماری خوف ناک غفلت ہے، اگر وہ وقت پر نمودار ہوگئی، ہم پر ہمارے سوا کوئی غالب نہیں آ سکتا، ہم ایمان اور استقامت سے مسلح ہو کر اتنے طاقتور ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ارضی گھمنڈ بھی ہمیں شکست نہیں دے سکتا، لیکن اگر ہمارے اندر اعتقاد اور عمل کی ایک ادنیٰ سی کمزوری اور خامی بھی پیدا ہوئی تو ہم خود آپ ہی اپنے قاتل ہوں گے اور ہم سے بڑھ کر دنیا میں اچانک مٹ جانے والی کوئی چیز بھی نہیں ملے گی۔

ہم کو گورنمنٹ شکست نہیں دے سکتی، پر ہماری غفلت ہمیں پیس ڈالے گی۔ ہم کو فوجیں پامال نہیں کر سکتیں، لیکن ہمارے دل کی کمزوری ہمیں روند ڈالے گی۔ ہمارے دشمن اجسام نہیں ہیں، عقائد اور اعمال ہیں۔

اگر ہمارے اندر ڈر پیدا ہو گیا، شک وشبہ نے جگہ پالی، ایمان کی مضبوطی اور حق کا یقین ڈگمگا گیا، ہم قربانی سے جی چرانے لگے، ہم نے اپنی روح فریب نفس کے حوالہ کر دی، ہمارے صبر اور برداشت میں فتور آ گیا، ہم انتظار سے تھک گئے، طلب گاری سے اکتا گئے، ہم میں نظم نہ رہا، ہم اپنی تحریک کے تمام دلوں اور قدموں کو ایک راہ پر نہ چلا سکے، ہم سخت سے سخت مشکلوں اور مصیبتوں میں بھی امن اور انتظام قائم نہ رکھ سکے، ہمارے باہمی ایکے اور یگانگت کے رشتہ میں کوئی ایک گرہ بھی پڑ گئی، غرض کہ اگر دل کے یقین اور قدم کے عمل میں ہم پکے اور پورے نہ نکلے تو پھر ہماری شکست، ہماری نامرادی، ہماری پامالی، ہمارے پس جانے، ہمارے نابود ہو جانے کے لیے نہ تو گورنمنٹ کی طاقت کی ضرورت ہے، نہ اس کے جبر وتشدد کی، ہم خود ہی اپنا گلا کاٹ لیں گے اور پھر صرف ہماری نامرادی کی کہانی دنیا کی عبرت کے لیے باقی رہ جائے گی۔

ہماری طاقت بیرونی سامانوں کی نہیں ہے کہ انہیں کھو کر دوبارہ پالیں گے۔

ہماری ہستی صرف دل اور روح کی سچائیوں اور پاکیوں پر قائم ہے اور وہ ہمیں دنیا کے بازاروں میں نہیں مل سکتی۔ اگر خزانہ ختم ہو جائے تو بٹور لیا جا سکتا ہے۔ اگر فوجیں کٹ جائیں تو دوبارہ بنائی جا سکتی ہیں۔ اگر ہتھیار چھن جائیں تو کارخانوں میں ڈھال لیے جا سکتے ہیں۔

لیکن اگر ہمارے دل کا ایمان جاتا رہا تو وہ کہاں ملے گا؟ اگر قربانی وحق پرستی کا پاک جذبہ مٹ گیا تو وہ کس سے مانگا جائے گا؟ اگر ہم نے خدا کا عشق اور ملک وملت کی شیفتگی کھو دی تو وہ کس کارخانے میں ڈھالی جائے گی۔''

(قول فیصل: ۹۳-۹۴، طبع قدیم؛ البلاغ پریس کلکتہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۳ — جون/۲۰۲۱ء - ذی قعدہ/۱۴۴۲ھ — شمارہ: ۶

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

تین جامع نصیحتیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ، وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ، وَأَجْمِعِ الْيَأْسَ عَمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو رخصت ہونے والے شخص کی طرح نماز ادا کرو اور ایسی کوئی بات نہ بولو جس سے تمہیں معذرت کرنی پڑے اور اس چیز کی امید نہ لگاؤ جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے)

(سنن ابن ماجة: ٤٣١٠)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: Rs.15/- — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: Rs.150/-

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

بداعمالیوں کے اثرات اور ہماری ذمہ داری (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

ایمان کی اہمیت اور اس کا تقاضا.....۴

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

دعوتِ دین کی کوششیں اور اس کا منہج.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سچائی کیا ہے؟ (مسلسل).....۷

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

کورونا کی وبا اور عبرت کا پہلو.....۹

.....مولانا عمیر الصدیق ندوی

یہود و نصاریٰ کی خواہش اور شرعی مطالبہ.....۱۰

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

روزے کے مسائل.....۱۲

.....مفتی راشد حسین ندوی

نئی نسل کی بے راہ روی.....۱۵

.....مولانا سید ومیض احمد ندوی

مدنی زندگی میں آپ ﷺ کا طرز دعوت.....۱۷

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

اخلاقی گراوٹ (مسلمانوں کے زوال کا ایک بنیادی سبب).....۱۸

.....محمد نفیس خاں ندوی

درد دل شکر ہے مستقل ہوگیا

نتیجۂ فکر:- حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ

درد دل شکر ہے مستقل ہوگیا
اب تو شاید مرا دل بھی دل ہوگیا

لذت زیست ہی خاک میں مل گئی
عشق جب سے مرا مضمحل ہوگیا

ان کی نظروں کی برکت ذرا دیکھئے
سوز دل ہی مرا ساز دل ہوگیا

وہ تڑپ ہائے اب دل میں پاتا نہیں
ہے غضب، زخم دل مندمل ہوگیا

چھیڑ اہل محبت کی معراج ہے
بے خبر، ہائے تو مشتعل ہوگیا

اب نہ افراط باقی نہ تفریط ہے
عشق کامل ہوا معتدل ہوگیا

پہلے احمدؔ مجھے درد الفت ملا
رفتہ رفتہ وہی درد دل ہوگیا

مدیر کے قلم سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

بداعمالیوں کے اثرات اور ہماری ذمہ داری

دنیا میں بگاڑ کا جو اصل سبب ہے وہ ہماری بداعمالیاں ہیں، اللہ کا نظام یہ ہے کہ اعمال پر نتائج مرتب ہوتے ہیں، آدمی جیسا کام کرے گا اس کے مطابق اس کے نتائج نکلیں گے، اس وقت ہم جن بداعمالیوں کا شکار ہیں، ان کے نتائج ہم کو بھگتنے پڑ رہے ہیں، وہ نتائج مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں، بیماریوں کی شکل میں ہوتے ہیں یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے حکمراں مسلط کرتے ہیں جو دنیا کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں، آج عمومی طور پر ہمارے اعمال کے اندر جو ایک بگاڑ ہے وہ ایسا ہے کہ اس کے بعد جو ہو رہا ہے وہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس قدر بے حیائیاں بڑھتی چلی جارہی ہیں کہ اچھے اچھے دین دار طبقوں اور دین دار حلقوں میں اندازہ ہوتا ہے کہ اب بات حد سے آگے بڑھ رہی ہے، لگتا ہے کہ بچاؤ مشکل ہے اور بعض مرتبہ محسوس ہوتا ہے کہ اب قیامت آنے والی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ قیامت جب آئے گی تب آئے گی، لیکن ہماری یہ بداعمالیاں ایسی ہیں کہ قیامت سے پہلے قیامت آگئی، قیامت سے پہلے وہ مصائب ہمارے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بھیجے جارہے ہیں کہ شاید ہمارے اندر توبہ کا کوئی شمہ پیدا ہو جائے، شاید رجوع کرنے کا ہمارے اندر کوئی جذبہ پیدا ہو جائے اور شاید ہماری زندگی کے اندر کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے۔

ہندوستان میں کرونا کی دوسری لہر کے جو نتائج ہمارے سامنے ہیں اگر ان پر غور کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی، ہم سب کچھ بھگت رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم جیسی زندگی گذار رہے تھے ویسی ہی زندگی گذار رہے ہیں، آپ چل پھر کر دیکھ لیجیے، ہم اپنی زندگی کو خود دیکھیں، اپنے گھر والوں کو دیکھیں، اپنے محلوں کو دیکھیں، آس پاس رہنے والوں کو دیکھیں اور جو حضرات جانتے ہیں، واقفیت رکھتے ہیں اور ان کا سابقہ پڑتا ہے وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ برائیوں میں کوئی ادنیٰ فرق نظر نہیں آتا، بلکہ بعض اعتبارات سے آپ دیکھئے تو برائیاں بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں۔

ایسی صورت حال میں ہم لوگ علاج کریں یا کچھ بھی کریں، لیکن خدانخواستہ جو اس کا اصل سبب ہے، جہاں سے پانی مر رہا ہے، اگر ہم نے وہاں پر تبدیلی نہ کی، ہم نے اللہ کی طرف رجوع نہ کیا اور اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ نہ کی، اپنے سماج کو بدلنے کی کوشش نہیں کی، تو یاد رکھیں حدیثوں میں صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ جب برائیاں پھیلیں گی، فواحش ومنکرات پھیلیں گے، میوزک کی کثرت ہوگی، مزامیر کی کثرت ہوگی تو اللہ کی طرف سے مصیبتیں آئیں گی، بیماریاں آئیں گی، آندھیاں آئیں گی، زلزلے اور طوفان آئیں گے اور حدیثوں میں یہ بھی آتا ہے کہ قیامت جب قریب آنے لگے گی تو موتوں کی کثرت ہوگی، قیامت کے قریب آنے کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا وہ قیامت لے آئے گا لیکن جو ظاہری اسباب ہمارے سامنے ہیں، یہ ایسے ہیں کہ لگتا ہے ہماری قیامت آنے والی ہے۔ ہمیں اس کے لیے تیاری کرنے کی اور توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اپنے اعمال اور اپنے گناہوں پر ندامت کی ضرورت ہے اور اپنے سماج کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم اپنے گھروں میں ٹھیک ہیں لیکن ہمارے محلوں میں کیا ہو رہا ہے، ہمارے نوجوان کدھر جارہے ہیں؟ جو بھی ذمہ دار حضرات ہیں جن کا سماج پر اثر ہے، وہ اس کی فکر کریں اور لوگوں کو صحیح راستہ پر لانے کے لیے جو ہو سکے اس کی تدابیر اختیار کریں، یہ ہماری سب سے بنیادی ذمہ داری ہے۔

ایمان کی اہمیت اور اس کا تقاضا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

فرد کی خودکشی اسلام میں حرام ہے، یہ مسئلہ سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی زہر کھا کر مرنا چاہے خواہ وہ کتنا ہی بیمار ہو اور خواہ اس کو کتنی ہی ناقابل برداشت اذیت اور تکلیف ہو رہی ہو، جب بھی اسلام میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور کوئی اس کی اجازت نہیں دے سکتا، کسی فرد کی خودکشی کو خواہ وہ بہت ہی اضطراری حالت میں بھی ہو جب بھی اسلام نے حرام قرار دیا ہے تو ایک قوم اور ایک جماعت کی خودکشی کو کیسے جائز قرار دے سکتا ہے اور پھر اس ملت کی خودکشی کو جس سے دوسروں کی جان اور زندگی کا مسئلہ وابستہ ہے جو آخری امت اور آخری ملت ہے اور ساری انسانیت کے لیے بڑا سہارا ہے اور اگر وہ ڈوبی تو سارا عالم ڈوب جائے گا اور وہ بچی تو پھر عالم اگر ڈوب بھی رہا ہوگا تو بچ جائے گا اور آج ڈوبے گا تو کل نکل آئے گا اور اللہ تعالیٰ اسی طریقہ سے انسانیت کی گاڑی چلاتا رہے گا، لیکن اگر اس امت کا بیڑا غرق ہوا اور اس امت نے اپنے گلے میں پھانسی ڈال کر خود اپنی زندگی ختم کردی تو یہ اجتماعی خودکشی نہیں، قومی خودکشی نہیں، بلکہ انسانیت کی خودکشی ہے، یہ پورے ملک کی خودکشی نہیں پوری دنیا کی خودکشی ہے۔

اب بات یہ ہے کہ کیا دنیا میں کوئی غیرت دار انسان تو الگ ہے، کوئی انسان بھی اس کا تصور کرسکتا ہے کہ ایک پوری کی پوری ملت جس نے ہندوستان میں انسانیت اور اسلام کا پیغام پہنچایا، آدمی بنایا اور جس نے توحید کا سبق سکھایا اور جس نے آدمی بن کر زمین پر چلنا سکھایا، وہ ملت محض اپنے موہوم خطروں کی وجہ سے اور حقیر فائدوں کی وجہ سے اجتماعی خودکشی اور ملی خودکشی کا ارتکاب کرے؟

آج مسلمانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ خطرے کو سمجھتے ہوئے بھی اپنے ذاتی مفادات اور مصلحتوں کو اور آرام اور تن آسانی اور تھوڑی سی آمدنی کو اور تھوڑے سے کیریر اور مستقبل کو ترجیح دیتے ہیں، یعنی مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یہ خطرہ نہیں برداشت کرسکتے کہ باپ جا کر کے اسکول میں کہہ دے کہ میرا بچہ اردو کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے یا اردو پڑھنا چاہتا ہے، اس کے اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے، اس لیے کہ وہ خود تیار نہیں ہے، اس کا ضمیر تیار نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر میرا بچہ ہندی چھوڑ کر اردو پڑھے گا تو اس کا مستقبل روشن نہیں ہے اور وہ اس کیریر کو حاصل نہیں کرسکتا، وہ اپنے ان ساتھیوں سے جو ہندی کے ذریعہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا ہندی پڑھ رہے ہیں ان کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے گا اور اس کو بڑی نوکری نہیں ملے گی، آپ بتایئے کیا ایمان کے ساتھ یہ بات جمع ہوسکتی ہے؟

ایمان کا تو ادنیٰ تقاضا یہ ہے اگر مسلمان خواب میں بھی سوتے سوتے دیکھے کہ میرے بچہ نے اسلامی اصطلاح کے بجائے غیر مسلموں کی کوئی اصطلاح استعمال کی ہے اور کوئی لفظ بول دیا ہے، جیسے تبرک کے بجائے کہا کہ پرشاد دیجیے اور میلاد نہیں سمجھتا، سیرت کا جلسہ نہیں سمجھتا، کتھا سمجھتا ہے اور ''فلاں کا انتقال ہوگیا ہے'' کے بجائے ''دیہانت'' کا لفظ بولتا ہے تو اگر کوئی مسلمان سوتے سوتے بھی یہ خواب دیکھے اور خواب میں تو آدمی سب کچھ دیکھ لیتا ہے اور پروا بھی نہیں کرتا، لیکن ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ اپنے بچہ کی کوئی ایسی آواز سن لے تو چیخ کر کے اور رو کر کے وہ اٹھے، بھاگے اور دوڑے اور سارا گھر پریشان ہوجائے کہ کیا بات ہے، یہ کیا مصیبت آئی، سانپ نے کاٹ لیا، بچھو کہیں اس کے بستر میں تھا اس نے ڈنک مار دیا، ہوا کیا؟ تو مسلمان کہے کچھ نہیں ہوا، میں نے خواب میں دیکھا اور ظاہر ہے کہ خواب میں آدمی سب کچھ دیکھتا ہے وہ ہوتا

نہیں، لیکن ؎ عشق است وہزار بدگمانی

جب کسی چیز سے محبت ہوتی ہے اور جب کسی چیز کی اہمیت ہوتی ہے تو آدمی اس کے خیال سے بھی پریشان ہوجاتا ہے اور کہیں اس کو وہم بھی آجائے تو اس سے بھی اس کی چیخ نکل جاتی ہے اور اس کی نیند حرام ہوجاتی ہے۔

یہ تھا اسلام کا ابتدائی درجہ کہ مسلمان اپنے بچہ کے لیے موہوم سے موہوم خطرہ بھی قبول کرنے کو تیار نہ ہو یعنی کفر وشرک کا، بت پرستی اور عقائد کی خرابی کا خطرہ، اگر یہ بات نہیں ہے تو سچ پوچھئے تو ہمارا ایمان قابل اطمینان نہیں ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص میں یہ بات ہوگی اس نے گویا ایمان کا بڑا درجہ پایا، تو اس تصور سے کہ وہ پھر کفر کی طرف چلا جائے گا اور اس کا امکان ہے، وہ اتنا ڈرے جتنا کہ کسی آدمی کو آگ میں جھونک دیے جانے سے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بہت بڑا الاؤ جل رہا ہو اور اس کے لڑکے کو کوئی لے کر اس میں پھینک دے، اس سے کسی ماں کو جو تکلیف ہوگی اور ان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور ماں باپ چیخنے لگیں اور ممکن ہے کہ ان کا دم نکل جائے، اتنا ہی صدمہ ایک مسلمان کو اپنے بچہ کے بارے میں اس خیال اور اس تصور سے کہ یہ بچہ کبھی اسلام کی دولت سے محروم ہوجائے گا اور کبھی ارتداد کے راستہ پر پڑ جائے گا ہونا چاہیے کہ یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو بھائی اپنے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے، ہم کتنی نمازیں پڑھتے ہوں اور چاہے ہم کیسی ہی مسجدیں بناتے ہوں اور چاہے ہم کتنا ہی صدقہ وخیرات کرتے ہوں اور بلکہ میں آگے بڑھ کر یہاں تک کہتا ہوں کہ چاہے ہم دس حج کر چکے ہوں، صاف صاف سن لیجیے اگر ہم نے حج پر حج کیے اور اگر ہم نے کوئی بڑا عربی کا مدرسہ بھی قائم کردیا ہے اور ہم بڑے علماء اور اپنے بزرگوں کے بڑے معتقد بھی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہم اس کو گوارا کرتے ہیں اور اس کا امکان ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بچہ اسلام سے بالکل محروم ہوجائے گا، کوئی حرج نہیں اس کو بڑی تنخواہ ملے گی، وہ بڑے عہدے پر ہوگا تو دین کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ حج قیامت کے دن کام نہ آئیں گے اور آپ کو بخشوا نہیں سکیں گے۔

آپ فرض نمازیں پڑھیں اور سنت مؤکدہ ادا کرلیں اور اگر حج فرض ہے تو ایک مرتبہ آپ حج کرلیں اور اگر زکوٰۃ آپ پر فرض ہے تو آپ زکوٰۃ دے دیں، اس کے بعد آپ سے کوئی نفلی کام نہ ہوتا ہو، آپ کوئی تسبیح نہ پڑھتے ہوں، صاف کہتا ہوں اور دین کے ایک نمائندے کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں، لیکن آپ کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہو کہ سب کچھ گوارا ہے، بہت مشکل سے، بہت ہی ناگواری کے ساتھ یہ سخت الفاظ ادا کررہا ہوں لیکن مجھے دین کا جو تھوڑا سا فہم ہے وہ مجھ سے کہلوا رہا ہے اور وہ تھوڑی سی امانت جو میرے سینے میں ہے وہ بلوا رہی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اسلام کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے بچہ کی موت کو، اس کی جسمانی موت کو، اس کی روحانی موت پر ترجیح دے، وہ کہے کہ چار مرتبہ اور دس مرتبہ اس پر جسمانی موت طاری ہوجائے لیکن ایک مرتبہ بھی اس پر اعتقادی موت، معنوی موت، روحانی موت، انسانی موت طاری نہ ہو، جس کی وجہ سے وہ ابدالآباد تک جہنم میں جلتا اور بھنکتا رہے گا اور اس پر عذاب ہوگا، بڑے سخت لفظ ہیں، بڑی مشکل سے میری زبان سے ادا ہوئے، مگر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی یہ دعا کرے کہ اے اللہ! اگر ایمان سلامت رہنا ہے، اگر اس بچہ کو اسلام کے راستہ پر چلنا ہے، اگر اس کو کل حشر کے دن اللہ کے رسول کے سامنے مسلمان بن کر کھڑا ہونا ہے اور ان کی شفاعت کا مستحق ہونا ہے تو اس کو زندہ رکھ ورنہ اس کو دنیا سے اٹھالے یہ ہے ایمان کا تقاضا!

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بچہ کی فاقہ کشی، بچہ کا کچھ نہ ہونا، بچہ کی جیب کا بالکل خالی ہونا، اس کا کسی طرح کی عزت ودولت سے محروم رہنا گوارا بلکہ دل سے گوارا اور شکر کے ساتھ گوارا ہو اور یہ گوارا نہ ہو کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہوجائے یا دیومالا کے چکر میں پھنس جائے یا صاف صاف شرک وبت پرستی پر اس کا یقین ہوجائے، اگر یہ نہیں ہے تو اپنے ایمان کی خیر منائیے۔

دعوتِ دین کی کوششیں اور اس کا منہج

(افادات: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی)

ترتیب: محمد سمعان خلیفہ ندوی

اس وقت امت اسلامیہ اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کے جو حالات ہیں ان میں مختلف سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے، کرونا کے نتیجہ میں جہاں ایک طرف خوف اور دہشت کا ماحول بنا وہیں دوسری طرف ان حالات میں مسلمانوں نے انسانیت کی جو خدمت انجام دی اس سے ایک اچھا تاثر قائم ہوا، ضرورت ہے کہ مسلمان اس کو باقی رکھیں اور مختلف سطحوں پر دعوت کا فرض انجام دینے کے لیے سامنے آئیں۔

بعض جگہوں پر غیر مسلم برادران وطن کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان حالات میں معبودان باطل سے مایوس ہوکر انہوں نے ان کے بت بھی یہ کہہ کر توڑے کہ ان بتوں نے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور اس وبا کی ہلاکت سے نہیں بچایا، ایسے موقع پر جہاں ایک طرف ان تک توحید کے صحیح پیغام اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت اور اسلامی عقائد کی حقانیت کو پیش کرنے کی ضرورت ہے، وہیں دوسری طرف مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے، اب مسلمانوں میں بھی یہ تصور عام ہوتا جارہا ہے کہ وہ ظاہری طور پر جو عبادت کرتے ہیں، وہ دنیاوی لحاظ سے ان کے لیے مفید ہیں، ان سے دنیاوی فائدہ ملے اور نقصانات سے بچاؤ ہو، گویا دنیا میں جب فائدہ نہیں پہنچا اور نقصان سے بچاؤ نہیں ہوا تو ان کی عبادت سے کیا فائدہ؟ یہ ایک مادی خیال ہے جو مسلمانوں میں رائج ہورہا ہے، دراصل ضروری یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اللہ کی عبادت کریں، کسی مادی منفعت کے حصول یا مادی نقصان سے بچاؤ کے خیال سے عبادت کرنے سے یہ ناقص خیال پیدا ہوتا ہے اور ایمان کے لیے اس کا بڑا نقصان سامنے آتا ہے۔

آج جب ہم نکل کر امت کے حالات کا جائزہ لیں تو ایک بڑی تعداد ہمیں ایسی نظر آتی ہے جن کو کلمہ کا علم بھی نہیں اور وہ صرف برائے نام مسلمان ہیں، کلمہ اور نماز کی اصلاح کی جو محنت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ نے شروع کی تھی اس کا حقیقی مقصد یہی تھا اور آج بھی اس کی شدید ضرورت ہے کہ امت میں چل پھر کر اس کی محنت کی جائے، ان کا مقصد یہی تھا کہ بنیاد پر محنت کرنے سے تمام دینی اعمال کا وجود میں آنا آسان ہوگا، ان کی محنت میوات کے خطہ سے شروع ہوئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی بدولت پوری دنیا میں اس کو پہنچایا اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اس کے اثرات محسوس کیے گئے اور اس سے لوگوں کی زندگیوں میں واضح تبدیلی نظر آئی، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ عقائد اور اعمال کی اصلاح کی دعوت لے کر امت کے افراد تک پہنچا جائے، نیز اصلاح معاشرہ کی کوشش کی جائے اور امت میں جو خرافات اور غلط باتیں رواج پارہی ہیں ان سے روکا جائے۔

دعوت کا ایک بنیادی مرحلہ یہ ہے کہ آدمی دعوت اور اصلاح کی شروعات اپنے گھر اور اپنے محلّہ سے کرے، اسی طرح آگے بڑھتا جائے اور ایک مثالی معاشرہ کی تعمیر میں حصہ لے، اپنی سیرت اور اخلاق کو مثالی بنانے کی کوشش کی جائے، ہم سب کے لیے اس معاملہ مین نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے کہ آپ جیسا کامل انسان اور مثالی نمونہ آج تک پیدا ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا، اس لیے ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم آپ کے نقش قدم پر چل کر ایک مثالی معاشرے کی تعمیر کی کوشش کریں۔

غیر مسلم برادران وطن تک دعوت پہنچانا بھی ہم سب کا فریضہ ہے، مگر اس کے لیے ہمیں حکمت اختیار کرنے کی ضرورت ہے، پہلے اخلاقیات کے حوالہ سے انہیں مانوس کیا جائے، دین اسلام اور سیرت رسول میں انسانیت اور اخلاقیات کا جو پیغام موجود ہے ان پہلوؤں کو خاص طور پر سامنے لایا جائے..... (باقی صفحہ نمبر ۱۴ پر)

مسلسل

سچائی کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

غیبت اور حقیقت بیانی میں فرق:

اس سے انکار نہیں کہ کسی سے متعلق کچھ بیان کرنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی، مگر کبھی ضرورت ہوتی بھی ہے، جیسا کہ حضرات محدثین نے روایت بیان کرنے والوں کی حقیقت بیان کی کہ ''فلاں صاحب جھوٹے ہیں، فلاں صاحب حدیثیں گڑھتے ہیں، فلاں صاحب بڑے بزرگ ہیں لیکن حافظہ کمزور ہے۔'' ظاہر ہے یہ سب کچھ بیان کیا گیا، مگر اس لیے کیا گیا کہ وہاں ضرورت تھی، یہ وہ لوگ تھے جن سے لوگ دین سیکھ رہے تھے اور حدیثیں سیکھ رہے تھے، وہاں اگر بات واضح نہ کی جاتی تو لوگ دھوکہ میں پڑ جاتے، اسی لیے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا گیا اور ایسا واضح کیا گیا کہ بعض بعض راوی کو دجال تک بتایا گیا، اپنے وقت کے ائمہ نے بہت سے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ فلاں شخص دجال ہے، اس سے حدیثیں سننے کے چکر میں مت پڑنا۔

معلوم ہوا اگر اس طرح کی دینی ضرورت کہیں پیش آجائے تو وہاں بیان کرنا پڑتا ہے، وہ ایک شرعی تقاضا ہے۔ لیکن اس فرق کو کون سمجھے گا کہ کہاں ضرورت ہے اور کہاں ضرورت نہیں ہے، یہ بڑا نازک مسئلہ ہے، اس میں بہت دھوکہ ہوتا ہے، اسی لیے جب تک ضرورت شدیدہ سمجھ میں نہ آئے اس وقت تک بہتر ہے کہ دوسروں کی غلطیوں کو اچھالا نہ جائے اور خاص طور سے جو کہنے والا ہے وہ غور کرلے کہ ہم یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کہنے کی وجہ محض اندر کی کدا اور حسد ہوتا ہے اور اس کو نیچا دکھانا مقصود ہوتا ہے یا بس محض تفریح مقصود ہوتی ہے۔

عبرت آمیز بات:

ایک مرتبہ کی بات ہے کہ ایک جگہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور مختلف لوگوں کا ذکر چل رہا تھا کہ فلاں ایسا ہے فلاں ایسا ہے، تو ایک صاحب بولے: ''اذان ہونے والی ہے، فلاں صاحب رہ گئے، جلدی سے ان کی بھی غیبت کرلو، وہ کیوں رہ جائیں۔'' گویا انہوں نے طنز کیا کہ کسی کو چھوڑو گے بھی یا یوں ہی ہوتا رہے گا۔ ظاہر ہے لوگوں کا یہ عام مزاج ہوتا ہے اور خاص طور سے نوخیز نوجوانوں کو بڑا مزہ آتا ہے، وہ کسی کو نہیں چھوڑتے، نہ استاذ کو، نہ شیخ کو، نہ بزرگ کو، نہ عام کو، نہ خاص کو اور اس وقت یہ ایک عام مرض ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اگر آدمی کو کسی کے بارے میں کوئی بات کہنی بھی ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ کہاں تک کہنے کی ضرورت ہے اور کہاں تک وہ اپنی اندر کی بھڑاس نکال رہا ہے یا تفریح کرنا چاہتا ہے، کیونکہ دونوں چیزوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

جسمانی اعضاء کا محاسبہ:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (الاسراء: ۳۶)

(اور جس کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو، یقیناً کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا)

عام طور سے انسانی مزاج میں یہ بات ہوتی ہے کہ کوئی چھوٹی سی بات کبھی سن لی تو اس کے بعد اس کا بتنگڑ بنا دیا جاتا ہے، ''وہ تو میں نے ایسا دیکھا تھا،'' ''فلاں ایسا کہہ رہے تھے'' اور اس کے بعد غیبت کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا زبان کی بھی حفاظت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنکھوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، کانوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، دل کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، اللہ کے یہاں ان سب اعضاء کے بارے میں سوال ہوگا جو استعمال ہو رہے ہیں، اس لیے ہر چیز میں آدمی یہ سوچے کہ کس حد تک درست ہے اور کس حد تک نادرست ہے۔

یہ بات دھیان رہے کہ کانوں میں کیا کیا باتیں پڑ رہی ہیں، کیونکہ غیبت کا کرنا بھی ناجائز ہے اور سننا بھی ناجائز، آدمی مجلس میں بیٹھ جائے اور غیبت ہو رہی ہو اور آرام سے سنتا رہے اور مزے لیتا رہے، تو وہ بھی اس جرم میں شریک ہے، اس کو چاہیے تھا کہ وہ روکتا

اور اگر یہ ممکن نہیں تھا، اس لیے کہ وہ لوگ اس کے بڑے تھے اور وہ جانتا تھا کہ وہ نہیں روک سکتا تو وہاں سے اس کو اٹھ جانا چاہیے تھا۔ حضرت مولانا علی میاںؒ کے بارے میں ہمارے بڑے پھوپھا مسلم صاحب جو حضرت مولانا کے دوست تھے وہ بتاتے تھے کہ حضرت مولانا کی نوخیزی کا زمانہ تھا، اس عمر میں سب کو ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں مزہ آتا ہے، وہ کہتے ہیں ہم لوگ دیکھتے تھے کہ علی میاں بیٹھے ہیں، باتیں ہورہی ہیں اور جہاں کوئی غیبت کی بات شروع ہوئی تو دیکھا وہ وہاں سے فوراً غائب، لوگ کہتے؛ کہاں چلے گئے لگتا ہے کسی نے غیبت کی ہے۔

انسان کا مزاج ایسا ہی ہونا چاہیے کہ آدمی نہ غیبت کرے اور نہ غیبت سنے، کیونکہ کان کے بارے میں بھی سوال ہوگا، لہٰذا نہ غیبت سنے نہ چغلی سنے، نہ ادھر ادھر کی باتیں سنے، نہ فحش گوئی سنے یعنی وہ تمام چیزیں جو درست نہیں ہیں اور جن کا سننا جائز نہیں ہے، ان سے اجتناب کرے، لوگ گانے سنتے ہیں، الٹی سیدھی اسٹوریاں سنتے ہیں، یہ سب غیر مناسب چیزیں ہیں اور کانوں میں اس طرح کی باتیں جو بالقصد جارہی ہیں ان کا کل قیامت میں سوال ہوگا۔

آیت بالا میں فرمایا گیا کہ آنکھوں کے بارے میں سوال ہوگا، یہ آنکھ کتنی خطرناک چیز ہے، کیا پتہ یہ کدھر جائے اور کیا دیکھے، حدیثوں میں آتا ہے کہ ابلیس کے تیروں میں سے یہ سب سے پہلا تیر ہے، ابلیس یہیں سے شکار کرتا ہے، آدمی پہلے دیکھتا ہی ہے، اس کے بعد غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اس کے بعد پھر بات آگے بڑھتی ہے، اگر وہاں پہلے ہی مرحلہ پر آدمی روک لگادے تو یہ حفاظت کا راستہ ہے اور ایمان کی سلامتی کا راستہ ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دل کے اندر ایمان کی حلاوت اتارتے ہیں، آدمی اپنی نگاہوں کی حفاظت کرتا ہے تو سب سے بڑھ کر اس سے ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے اور گناہوں سے بچنا بھی آسان ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا مقابلہ ہے، آدمی جب دیکھتا ہے اور نگاہ پڑتی ہے تو ظاہر ہے اس کے بعد اور دیکھنے کا جی چاہتا ہے اور دیکھتا چلا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ نہایت خطرناک ہوتا ہے، اسی لیے حدیث میں ہے کہ جب پہلی نگاہ پڑی تو اللہ کے یہاں اس کی پکڑ نہیں ہے، لیکن اس کے بعد فوراً نگاہ ہٹالی جائے، اگر پہلے مرحلہ میں نگاہ پڑی اور ہٹائی نہیں گئی بلکہ اس نے دوبارہ نامحرم کی طرف دیکھا اور غلط سوالات پیدا ہوئے، تو یہ چیز ایسی ہے کہ اس کے بعد ابلیس کو موقع مل جاتا ہے، گویا اس کا تیر نشانہ پر لگ گیا، اب وہ آگے شکار کرے گا اور آگے وہ ڈھیر ہوتا چلا جائے گا، پھر اس کا بچنا بڑا مشکل ہوتا ہے اور اگر پہلے مرحلہ میں اس نے خود کو قابو میں کرلیا تو آگے آسانی ہے۔ اسی لیے صاف کہہ دیا گیا کہ نگاہ کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ کیا دیکھا، لہٰذا بہت مرتبہ دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔

ہم نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جب وہ گذرتے تھے تو ہم نے ان کو ہمیشہ دیکھا کہ ان کو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ دائیں بائیں کیا ہورہا ہے، کہیں دیکھتے ہی نہیں تھے، نیچے دیکھتے ہوئے چلے جاتے تھے، ورنہ عام مزاج یہ ہوتا ہے کہ ہم سب گذرتے ہیں تو دائیں بائیں دیکھتے ہیں کہ کیا ہورہا ہے، حضرت مولانا گذرتے ہوئے کہیں نہیں دیکھتے تھے، گویا ان کو دنیا سے کوئی مطلب ہی نہیں، واقعہ یہ ہے کہ آدمی اسی طرح محفوظ رہتا ہے، گویا یہ سلامتی کا راستہ ہے۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی ہر طرف سے غافل ہوجائے اور آنکھیں ہی بند کرلے، ایسا بھی مناسب نہیں ہے، نگاہیں کھلی رکھے لیکن یہ دھیان میں رکھے کہ کیا دیکھنا ہے کیا نہیں دیکھنا، ہر چیز دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، جو چیزیں دیکھنے کی ہیں وہ دیکھے اور جو نہ دیکھنے کی ہیں وہ نہ دیکھے، لیکن زیادہ تر نہ دیکھے تو عافیت ہے، جہاں ضرورت ہو وہاں ضرور دیکھے اور کم سے کم حالات کے بارے میں واقفیت ضرور ہونا چاہیے، اس لیے کہ اگر حالات سے واقفیت نہیں ہوگی تو ہوسکتا ہے کہیں کسی کے چکر میں پڑ جائے، اس کا کوئی شکار کرلے تو وہ بھی مناسب نہیں ہے، لیکن کیا دیکھنا ہے کیا نہیں دیکھنا، اس کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔

کورونا کی وبا اور عبرت کا پہلو

مولانا عمیر الصدیق ندوی

ارادے کرنا، منصوبے بنانا اور مستقبل کے آئینے میں زندگی کے الگ الگ چہروں کو دور وقریب سے دیکھنا اور پھر ان ہی کے سہارے عالم بیداری میں خواب دیکھنا اور پھر ان کی تعبیر تلاش کرنا، یہ سارے عمل انسانوں کے ان امتیازات میں ہیں جن کی وجہ سے یہ انسان دوسرے حیوانات بلکہ دوسری تمام مخلوقات سے جدا اور ممتاز کہلایا، اسی کی بدولت وہ مسند فضیلت وتکریم سے بھی ہم کنار ہوا، یقیناً یہ ایک حقیقت ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان امتیازات کو بخشنے والے خالق ومالک نے جہاں ارادہ ومنصوبہ کی صلاحیت سے اپنی تخلیق کو نوازا، وہیں مشیت وقدرت کی اصل کلید اپنے پاس ہی رکھی، یعنی مجبوری ومختاری کے یہ عنوان حضرت انسان کی سرشت میں فطرت سے ودیعت ہوئے، گویا ان کا انکار کفر اور ان کا اقرار ایمان ہے، زمانہ اور وقت کی ہر کروٹ میں اسی انکار واقرار کا پیغام ہے، گذشتہ سال یہ پیغام جس طرح سارے عالم انسانی کے نام عام ہوا اور علم وتہذیب وتمدن کو بلند ترین مقامات سے آشنا کرنے والوں، روئے زمین پر شداد سے کہیں بڑھ کر اپنے لیے جنت نظیر آشیانہ بنانے والوں اور اپنی عبدیت سے بے نیاز بلکہ بے زار ہوکر معبودی شان کا اظہار کرنے والوں سے لے کر مجبوروں اور مقہوروں کی آخری صف میں کھڑے ایک درماندہ انسان تک، ہر شخص کو جس طرح اپنی مجبوری اور توانائی کو آنکھوں کے سامنے دیکھنا پڑا، شاید انسانی تاریخ نے روز اول سے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا، ایک وائرس، ایک جرثومہ جس کے وجود کو دیکھے بغیر نام دیا گیا اور پھر اس نام نے موت وزندگی کا بیک وقت جس طرح شور وشر کا ہنگامہ کیا اس سے جیسے انسان اور اس کی زندگی، اس کی موت، اس کے ارادوں اور اس کے ہنگاموں کی دنیا ہی بدل گئی، قیامت سے پہلے قیامت کی اگر اس کو ہلکی سی تصویر کہا جائے تو کیا غلط ہے؟ کورونا ہو یا پھر اس جیسی نئی نئی وباؤں کا وجود، آخر ان کا مقصد کیا ہے؟ اور اس سے بھی زیادہ ان کا سبب کیا ہے؟ نام نہاد تعلیم وترقی کا شور کرنے والے ضرور جانتے ہوں گے، لیکن کتمان حق کے مرتکب صرف زمانہ ماضی سے منسلک نہیں، آج بھی اکثر وہی ہیں جو حق کو حق جانتے ہوئے بھی اس کے اعتراف کے منکر ہیں، ویسے کچھ لوگ ہمیشہ ایسے بھی رہے جو فتح عزائم سے عرفان رب کی نعمت حاصل کرتے ہیں، لیکن عمومی مزاج تو ان ہی کا ہے جن کی بربادی پر ان کے سچے خیر خواہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے تھے کہ ایسے انسانوں پر کیا غم کیا جائے جو اپنے غم خواروں اور خیر خواہوں ہی کو پسند نہیں کرتے۔

یہ تاثرات جو غیر مربوط سے ہیں، لیکن شاید گذشتہ ایک سال میں ہر شخص پر جو گزری ہے، اس کے اظہار میں واضح بھی ہیں، کوئی سوچ سکتا تھا کہ جامعات ومدارس کے درودیوار تو ہوں گے لیکن وہ جو قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے ہمہ وقت معمور رہتے تھے وہ ان صداؤں کے انتظار میں صرف شب وروز کی الٹ پھیر ہی میں رہ جائیں گے، ایک یہی کیا زندگی کا کون سا شعبہ ہے جو تھم نہ گیا ہو، پوری دنیا میں سکوت وسکتہ کا یہ منظر تھا تو اس قابل کہ دل ودماغ کی دنیا میں اپنی بے عملی، بدعملی، کوتاہی بلکہ گناہ اور جرم کے اعتراف کی صداؤں کا شور مچ جاتا، کچھ دیر ہی کے لیے سہی، دنیا اور متاع دنیا کو پہچان لیا جاتا، متاع دنیا کی قلت وحقارت اور اس کی فریب زدگی کا یقین آجاتا، یہ سمجھ میں آجاتا کہ زینت اور چمک دمک کی مدت کتنے پل کی ہے، سائنس اور طب کی بے مثال ترقی کس کام کی جو ایک وبائی حملے کے سامنے اس طرح سرنگوں ہوتی دکھائی دے۔ ایسے میں مداوا تو یہ ہوتا کہ زبانوں پر رحم کی درخواست ہوتی، بخش دیے جانے کی فریاد ہوتی، جو کچھ غلط کیا اس پر پچھتاوا ہوتا اور دل میں یہ ڈر ہوتا کہ دعا قبولیت کے دروازے پر رد کردی گئی تو پھر خسارہ ہی خسارہ ہے، لیکن نظر ڈالیے تو وہی غفلت کا سماں، وہی بے حسی اور وہی انجام سے بے خبری!

یہود و نصاریٰ کی خواہش اور شرعی مطالبہ

عبدالسبحان ناخداندوی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

(یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی خوش نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی کریں، آپ کہیے؛ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی جب کہ آپ کے پاس وہ چیز آچکی یعنی علم تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی حامی ہوگا نہ کوئی مددگار) (البقرۃ:۱۲۰)

قرآن مجید کی یہ آیت آنکھیں کھول دینے والی ہے، غیروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور اعلیٰ اسلامی اخلاق پیش کرنا نہایت مبارک عمل ہے، اس سے وہ دین کے قریب آسکتے ہیں، بلکہ اللہ نے چاہا تو دین قبول کرنے کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں، لیکن کسی کو خوش کرنے کے لیے خود ان کے طریقوں کو اپنانا نہایت خطرناک کا ہے، اس عمل سے وہ خوش نہیں ہوں گے، بلکہ جب تک ان کے دین و مذہب کو نہ اپنایا جائے وہ اس معاملہ میں خوش نہیں ہوسکتے، لہٰذا اپنی اچھائیوں سے ان کو متاثر کیا جائے، نہ کہ ان کو خوش کرنے کے لیے ان کے طریقوں کو اپنایا جائے۔

اس تشریح سے اس آیت اور قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں کوئی تعارض نہیں ہوتا جس میں ارشاد ہے؛

﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ (اس طریقہ سے دفاع کرو جو سب سے بہتر ہے، پھر ہوسکتا ہے کہ تمہارے اور جس کے درمیان دشمنی ہو وہ ایسا بن جائے جیسے کوئی گہرا دوست ہو)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رواداری، حسن اخلاق اور حسن کردار کے ذریعہ ہونا چاہیے، کسی کی مذہبی چیزوں کو اختیار کرنا رواداری نہیں ہے، یہ تو ان کو قریب کرنے کے بجائے خود ان سے قریب ہونا ہوا اور اس پر بھی وہ راضی نہیں ہوں گے، بلکہ مکمل تبدیلی مذہب کی خواہش رکھیں گے۔

رسول اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل کتاب کو قریب کرنے کے لیے آپ نے یہ اجتہاد فرمایا کہ جن باتوں میں اللہ کی طرف سے کوئی صریح حکم نہ ہو اس میں اہل کتاب کی موافقت کی جائے، یہ آپ ﷺ کا مبارک اجتہاد تھا اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے آپ کو یہ اختیار دیا گیا تھا، اس عمل پر مہینوں گذر گئے لیکن اہل کتاب پر اس کا اثر نہیں ہوا، پھر آپ ﷺ کا مبارک طرز عمل یہ ہوا کہ جن امور میں وحی نازل نہ ہو ان میں اہل کتاب کی مخالفت نہ کی جائے اور یہی معاملہ اخیر تک رہا، بلکہ آپ نے اس کا حکم بھی فرمایا، ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد پھر آپ ﷺ نے موافقت چھوڑ کر مخالفت کو ترجیح دینا شروع کیا ہوگا، گویا عملاً آپ ﷺ نے یہ طریقہ مشروع فرمایا کہ کسی کو خوش کرنے کے لیے اس کا کوئی طریقہ ہرگز نہ اپنایا جائے، جن باتوں میں اللہ کا صریح حکم موجود ہے اسے بلا کم و کاست کیا جائے اور جن امور میں صریح حکم نہیں ہے اس میں مخالف قوموں کا کوئی انداز نہ اپنایا جائے، بلکہ ان سے ہٹ کر اپنی امتیازی پہچان الگ سے قائم کی جائے، ارشاد مبارک ہے: "من

تشبہ بقوم فھو منھم" (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سمجھا جائے گا) اس میں پہلے نمبر پر مذہبی و دینی مشابہت ہے، پھر وضع قطع اور تہذیب وتمدن میں مشابہت ہے۔

مِلَّتَھُمْ؛ ملت کا مطلب دین وشریعت ہے، جس چیز کو کرنے کی دعوت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے اور اس کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین کیا جاتا ہے، اسے ملت یا شریعت کہتے ہیں۔

آیت سے پتہ چلتا ہے کہ دعوت دین کا کام بندوں سے لمبی چوڑی توقعات قائم کرکے نہ کیا جائے، امید اللہ سے رکھی جائے، خلاف توقع نتیجہ آنے پر انسان مایوس نہ ہو، دین کے دشمنوں کے تعلق سے یہی تصور رکھے کہ وہ ہمارے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے ہم سے کبھی خوش نہ ہوں گے، یہ دوری تو ہمیشہ بنی رہے گی، اس دوری کو پاٹنے کا طریقہ یہ نہیں کہ ان کی تہذیب میں اپنے کو رنگا جائے، اس کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے اعلیٰ کردار کو ان کے سامنے یوں پیش کیا جائے کہ خود ان کو یقین آجائے کہ اس سے بہتر کوئی طریقہ ممکن نہیں۔

قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدَى؛ آیت کے اس ٹکڑے میں اس اعتراض کا جواب ہے جو یہود ونصاری کرسکتے ہیں، وہ یہ کہ یہود کہہ سکتے ہیں کہ خود تمہیں اس کا اقرار ہے کہ توریت سراسر ہدایت اور نور ہے؛﴿إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (ہم نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے) یعنی راستہ بھی ہے اور روشنی بھی، نصاریٰ کہہ سکتے ہیں:﴿وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ﴾ (ہم نے عیسیٰ کو انجیل دی اس میں ہدایت بھی ہے اور نور بھی) لہٰذا ہماری ملت کی پیروی کرنے میں تم خود اپنی کتاب کے لحاظ سے بھی ہدایت اور نور ہی پر رہو گے، اس کے جواب میں یہ کہنے کا حکم ہے کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، بلاشبہ توریت وانجیل کتاب ہدایت اور نور تھے، لیکن تم نے اس نور کو بجھا دیا اور اس راستے ہی کو گم کردیا، اب وہی ہدایت ونور قرآن کریم کی شکل میں پھر اتاری گئی ہے، اس نور کو اب بجھنا نہیں اور نہ اس ہدایت کو گم ہونا ہے، یہ اللہ کی ہدایت ہے، جو تمہیں دی گئی تھی لیکن تم نے قدر نہیں جانی، توریت بھی تحریف کا شکار ہوئی اور انجیل بھی، اب اگر صاف وشفاف توریت وانجیل کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس ہدایت پر آجاؤ جو اللہ نے قرآن کی شکل میں اتاری ہے، اللہ کی ہدایت میں جب انسانی غلط ہاتھ تصرف کرتے ہیں تو وہی ہدایت اہواء یعنی خواہشات کا مجموعہ بن جاتی ہے، اس وقت یہود ونصاری نے توریت وانجیل کا یہی حشر کیا تھا، اس لیے ان کے سامنے ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہا گیا کہ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی اتاری ہوئی ہو، اس سے تم خالی ہوچکے ہو اور اس کی جگہ خواہشات اور نفسانیت کا ایک مجموعہ وجود میں آیا ہے، لہٰذا اسے چھوڑ کر سچی ہدایت پر آجاؤ۔

ولئن اتبعت أھواء ھم؛ اللہ کے احکام کی کھلم کھلا نافرمانی بھی "أھواء" ہے اور شرعی احکامات کو توڑنے کے لیے کی جانے والی مکاریاں بھی "أھواء" ہیں، اسی طرح اللہ کے احکامات سے ناواقف رہنا بھی خواہش پسندی ہے، یہود ونصاریٰ اسی کا شکار ہوئے، یہود نے کھلم کھلا خیانتیں کیں، تحریفات کیں، توریت کا حلیہ بگاڑ دیا، نصاریٰ جہالت اور غفلت میں مارے گئے، حد سے بڑھی عقیدت نے ان میں غلو پیدا کیا اور وہ حضرت مسیح کو اللہ کہنے لگے، خواہشات میں یہ بھی مبتلا ہوئے وہ بھی مبتلا ہوئے، لہٰذا اب دونوں قومیں اصحاب الھدیٰ کے بجائے اصحاب الھویٰ بن گئیں، اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اگر آپ ان کو خوش کرنے کے لیے ان کی بعض خواہشات کی بھی پیروی کریں اور اللہ کی طرف سے اتارے ہوئے حقیقی علم کو تھوڑا بھی نظر انداز کرلیں تو پھر اللہ کے مقابلہ میں آپ کا کوئی حامی ومددگار نہیں ہوگا، خطاب آپ ﷺ سے ہے، لیکن پیغام پوری امت کے لیے ہے۔

حتی تتبع ملتھم سے امام شافعیؒ ودیگر ائمہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ پورا کفر اور تمام کفریہ اقوام ایک ملت ہیں، وہ چاہے باہم جس قدر مختلف ہوں لیکن اہل اسلام کے لحاظ سے وہ سب ایک ملت ہیں، ان کو اسی نظر سے دیکھا جائے۔

روزے کے اہم مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

کفارہ کا مطلب:

رمضان کا روزہ توڑ دینا بہت بڑا گناہ ہے، یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو کسی رخصت یا بیماری کے بغیر رمضان کے ایک دن کا بھی روزہ چھوڑ دے تو اس کی بھرپائی اگر چہ وہ عمر بھر روزہ رکھے عمر بھر کے روزے بھی نہیں کرسکیں گے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

کفارہ کو اسی گناہ کے ازالہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے، کفارہ کا لفظ کفر سے نکلا ہے جس کے معنی چھپانے کے ہوتے ہیں، اس طرح کفارہ کے معنی گناہ کو چھپانے اور اس کا ازالہ کرنے والی چیز کے ہیں

روزہ توڑنے کا کفارہ:

روزہ توڑنے کا کفارہ بھی وہی ہے جو ظہار کا ہے، چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث میں تفصیل سے اس کا ذکر آیا ہے (عن أبی ہریرۃؓ) قرآن میں کفارۂ ظہار کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ☆ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ (المجادلة: ٣-٤) (اور جو لوگ اپنی عورتوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہیں پھر جو انہوں نے کہا اس سے رجوع کرنا چاہتے ہیں، تو ان کے ذمہ دونوں (میاں بیوی) کے ملنے سے پہلے ایک گردن آزاد کرنا ہے، تمہیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور تم جو کرتے ہو اللہ اس کی پوری خبر رکھتا ہے، پھر جو (غلام یا باندی) نہ پاسکے تو اس کے ذمہ دونوں کے ملنے سے پہلے ہی مسلسل دو مہینے کے روزے ہیں، پھر جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)

کفارہ کب واجب ہوتا ہے؟

کفارہ اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب کوئی عاقل بالغ شخص جان بوجھ کر رمضان کا روزہ فاسد کردے، خواہ جماع کرکے یا کوئی ایسی چیز کھا کر یا پی کر جس کو بطور غذا یا دوا استعمال کیا جاتا ہے، ایسا کرنے پر اس روزے کی قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوجاتا ہے۔ (ہدایہ مع الفتح: ۲/۲۶۰-۲۶۳، ہندیہ: ۱/۲۰۵)

جماع اگر میاں بیوی کی رضامندی سے ہوا ہو تو دونوں پر کفارہ ہوگا، لیکن اگر عورت کو مجبور کرکے جماع کیا گیا تو عورت پر کفارہ نہیں ہوگا، صرف قضاء ہوگی، یہ بھی خیال رہے کہ صرف دخول کرلینے سے کفارہ لازم ہوجاتا ہے، خواہ انزال نہ ہوا ہو۔ (سابقہ مراجع)

کفارہ کن چیزوں سے ادا کیا جائے گا؟

ہم نے اوپر بیان کیا کہ روزہ توڑنے کا کفارہ وہی ہوتا ہے جو ظہار کا ہوتا ہے اور ظہار کا کفارہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) غلام یا باندی آزاد کرے۔

(۲) اگر یہ ممکن نہ ہو (جیسا کہ موجودہ زمانہ کا حال ہے) تو لگاتار دو مہینے روزہ رکھے، درمیان میں ایک دن کا بھی ناغہ نہ ہونا چاہیے ورنہ پھر از سر نو رکھنے پڑیں گے۔

(۳) اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔ (ہندیہ: ۱/۵۰۹-۵۱۳)

جو شخص روزہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہو، اس کے کفارہ کے لیے دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا ہی طے ہے، وہ اگر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے تو کفارہ ادا نہ ہوگا اور جیسا کہ عرض کیا کہ یہ دو مہینے کے روزے مسلسل ہونے چاہیے، اگر درمیان میں کسی بیماری کی وجہ سے ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو پھر سے شمار کرنا پڑے گا، اسی طرح اس وقت بھی پھر سے روزہ کا شمار کرنا پڑے گا، جب درمیان میں عید الفطر، عید الاضحیٰ یا ایام تشریق آجائیں، البتہ اگر عورت کفارے کے روزے ادا کر رہی تھی اور درمیان میں حیض کا عذر پیش آگیا تو ایام حیض میں روزہ نہیں رکھے گی اور اس سے تسلسل میں کوئی فرق بھی

نہیں آئے گا۔(ہندیہ:۱/۵۱۲،شامی:۲/۱۱۹)

اگر روزہ رکھنے پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے اطعام کرنا ہوتو اس میں دوطریقے اختیار کرسکتا ہے:

۱-ساٹھ مسکینوں میں سے ہر مسکین کوصدقہ فطر کی مقدار میں گیہوں یا جو یا کھجور دے دے، گیہوں ہر مسکین کونصف صاع (ایک کلو ۶ سو۳۳ گرام) اور جو یا کھجور ہر مسکین کوایک صاع (۳کلو دوسو ۶۶ گرام) یہ بھی اختیار ہے کہ ہر مسکین کوغلہ دینے کے بجائے غلہ کی قیمت دے دے، لیکن خیال رہے کہ ایک ہی دن میں دینا ہے تو ساٹھ مسکینوں کی تعداد پوری کرنا ضروری ہے، پوری مقدار اگر ایک ہی دفعہ ایک مسکین کو دے دی تو صرف ایک دن کا کفارہ ادا ہوگا، البتہ یہ کرسکتا ہے کہ ساٹھ دن تک ایک مسکین کوایک مسکین والی مقدار دیتا رہے۔(ہندیہ:۱/۵۱۳)

۲-ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دے، یا ایک مسکین کوساٹھ دن تک دووقت شکم سیری کے ساتھ کھلا دے۔ (ہندیہ:۱/۵۱۴)

کفارہ صرف رمضان کا روزہ توڑنے پر ہے:

کفارہ صرف رمضان کا روزہ توڑنے پرواجب ہوتا ہے، قضاء نذر یا نفلی روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا، البتہ نفلی روزہ توڑنے پراس کی قضاء لازم ہوتی ہے اور قضاء یا نذر کا روزہ توڑ دیا تو بعد میں اسے رکھنا ہوگا۔(ہندیہ:۱/۲۱۵)

روزے کی اقسام:

روزے کے ضروری احکام اوپر بیان کردیے گئے، یہاں یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اقسام بھی بیان کردی جائیں، فقہاء فرماتے ہیں کہ روزے کی کل آٹھ قسمیں ہیں:

۱-فرض معین، اس سے مراد رمضان کے روزے ہیں۔

۲-فرض غیر معین، یعنی رمضان کے روزے کی قضاء اور ظہار وغیرہ کا کفارہ، غیر معین کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کی طرح شریعت نے اس کے لیے کوئی مہینہ یا دن مقرر نہیں کیا ہے۔

۳-واجب معین جب کسی خاص دن روزہ رکھنے کی نذر مانے

۴-واجب غیر معین، جب غیر متعین طور سے کسی دن روزہ رکھنے کی نذر کرے، یا نفلی روزہ رکھ کر توڑ دے تو اس کی بھی قضاء کرنا واجب ہے، لیکن اس کے لیے کوئی دن مقرر نہیں ہے۔

۵،۶-مسنون ومستحب روزے، یہ کئی روزے ہیں جن کی نبی کریم ﷺ نے ترغیب دی ہے، فضائل بیان کیے ہیں اور رکھنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔

الف؛ ان میں سب سے زیادہ اہمیت والا روزہ یوم عاشوراء کا ہے، اسی لیے فقہاء نے اس کو مسنون قرار دیا ہے، کئی احادیث میں اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کے بعد سب سے فضیلت والا روزہ محرم (عاشوراء یعنی دس محرم) کا ہے۔(مسلم)

لیکن یہ فضیلت تبھی حاصل ہوگی جب نو یا گیارہ محرم کے روزے کو اس سے ملا لیا جائے، تنہا دس محرم کا روزہ خلاف اولیٰ ہے (لیکن ساتھ میں روزہ ملانا دشوار ہوتو رنہ رکھنے کے مقابلہ میں اکیلے دس کا روزہ ہی رکھ لینا چاہیے) خلاف اولیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور لوگوں کو رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس دن کی تعظیم یہود ونصاریٰ بھی کرتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال رہا تو نو محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔(مسلم)

ب؛ عرفہ کا روزہ: عرفہ ۹ ذی الحجہ کے روزے کو کہتے ہیں، عرفہ نام اس لیے پڑا کہ اسی دن حاجی میدان عرفات جاتے ہیں، اس روزے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا گمان یہ ہے کہ اس روزے سے پہلے ایک سال اور اگلے ایک سال کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔(مسلم)

لیکن یہ فضائل اس حاجی کے لیے نہیں ہیں جس کا خیال یہ ہو کہ ضعف ہوجائے گا اور حج کے اعمال کے ادا کرنے میں دقت ہوگی، یہ بھی خیال رہے کہ آدمی جس علاقہ میں ہے وہاں کے اعتبار سے ۹ ذی الحجہ ہونا چاہیے۔

ج؛ ایام بیض: یعنی ہر چاند کے مہینہ کی ۱۳-۱۴ اور ۱۵ تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر مہینہ تین دن روزہ رکھتے تھے، پوچھا گیا کہ مہینہ کے کن دنوں میں روزہ رکھتے تھے تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ مہینے کے کن دنوں میں روزہ رکھیں۔ (مسلم) لیکن ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ۱۳-۱۴ اور پندرہ تاریخ کی صراحت ہے۔

د؛ احادیث میں شوال کے چھ دنوں کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھے پھر ان کے بعد چھ دن شوال کے روزے رکھے تو یہ صیام دہر (ہمیشہ روزہ رکھنے جیسا) ہوگا۔ (مسلم)

ھ؛ ہر وہ روزہ جس کی حدیث میں فضیلت وارد ہوئی ہو جیسے صوم داؤد (ایک دن روزہ رکھنا، ایک دن افطار کرنا) اور دوشنبہ و جمعرات کے دن روزہ رکھنا، اسی طرح ایام ممانعت کو چھوڑ کر کسی بھی دن روزہ رکھنا باعث ثواب ہے۔

۷-مکروہ تنزیہی جیسے تنہا عاشوراء کا روزہ رکھنا، یا تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنا، اس لیے کہ تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، الا یہ کہ جمعہ کو ایسا روزہ پڑ جائے جس کو وہ رکھا کرتا ہے، مثلاً: جمعہ کے دن عرفہ کا روزہ پڑ جائے۔ (مسلم)

۸-مکروہ تحریمی، سال میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، یہ دن ہیں عیدین اور ایام تشریق، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فطر اور نحر کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت نبیشہ ہذلی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔

(مسلم) (شامی: ۲/۹۱، ہندیہ: ۱/۱۹۴، فتح القدیر: ۲/۲۳۴-۲۳۵، نور الایضاح: ۱۳۸)

بقیہ: دعوت دین کی کوششیں

.....اور ان کو اپنی عملی زندگی میں اختیار کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ برادران وطن کے دلوں تک ہم پہنچ سکیں اور ان پر اثر انداز ہو سکیں پھر جب وہ ہمارے اخلاق سے متاثر ہو کر ہمارے قریب پہنچیں تو ہم انہیں دین اسلام کا تعارف کرائیں اور اس طرح کرنے سے اس بات کی امید ہے کہ ان کے ذہن کھلیں گے اور وہ متاثر ہوں گے اور خود عملی طور پر اس میدان میں کام کرنے والوں کو اس کا اچھا تجربہ ہے اور ان کے سامنے اس کے مثبت نتائج موجود ہیں، کیونکہ ہمارے اسلام کا جو اخلاقی نظام ہے اس میں زبردست قوت اور بھرپور تاثیر موجود ہے اور اس سے برادران وطن محروم ہیں، ان کے پاس ایسا جامع اخلاقی نظام موجود نہیں ہے، ان کے پاس مثالی زندگی کا کوئی کامل نمونہ موجود نہیں ہے، اس لیے جب وہ اس سے مانوس ہوں گے تو امید ہے کہ ان کے سامنے ہدایت کا دروازہ کھل جائے۔

اس کام کو مزید پھیلانے کی ضرورت ہے، کیونکہ انسان چاہے جتنا گیا گزرا ہو مگر بہر حال وہ انسان ہوتا ہے اور اس کے دل میں انسان کا دل ہوتا ہے، جانور کا دل ایسا نہیں ہوتا، جب ہم انسانی بنیاد پر اسلام کے اخلاقی پہلوؤں کو اختیار کر کے ان تک پہنچیں گے تو ان کے دلوں میں داخلہ ہمارے لیے آسان ہوگا، آج اس ملک میں اس چیز کی بہت ضرورت ہے کہ ہم اس میدان میں سامنے آئیں اور اس طرح دشمنوں نے ہماری جو شبیہ بگاڑنے کی کوشش کی ہے اس کو درست کرنے میں بھی مدد ملے گی اور اسلام کا صحیح پیغام ان تک پہنچے گا، لاک ڈاؤن کے ان حالات میں جہاں جہاں مسلمانوں نے مختلف انداز میں انسانیت کی خدمت کی ہے وہ قابل قدر بھی ہے اور اس سے ان کو بہت فائدہ بھی پہنچا ہے، اب ان کاموں کو اور اچھے انداز میں اور وسیع پیمانہ پر اختیار کیا جائے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلامی اخلاق کی صحیح تصویر پیش کی جائے اور اس کے لیے اخلاقی لٹریچر بھی تیار کیا جائے اور قرآن وحدیث سے اخلاقیات کی ان باتوں کو اخذ کر کے ان کو عام کیا جائے تو امید ہے کہ اس ملک کے حالات تبدیل ہوں اور دعوت وہدایت کا راستہ ہموار ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نئی نسل کی بے راہ روی

مولانا سید ومیض احمد ندوی

کسی بھی قوم کی سرخ روئی اور سربلندی کا سہرا اس کی نئی نسل اور نوجوانوں کے سر جاتا ہے، جس قوم کے نوجوان اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق کے حامل اور مذہبی اقدار کے محافظ وپاس بان ہوتے ہیں' کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، وہ قوم دنیا میں سرخ رو اور آخرت میں فلاح یاب ہوتی ہے، اس کے برخلاف جس قوم کے نوجوان حیا باختہ، بے لگام، خواہشات نفسانی کے اسیر اور اعلیٰ مذہبی روایات سے تہی دامن ہوتے ہیں وہ قوم قعر مذلت میں جا گرتی ہے، نہ صرف وہ آخرت میں رحمت الٰہی سے دور ہوتی ہے بلکہ دنیا میں بھی ذلت وادبار اس کا مقدر ٹھہرتا ہے۔

امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی اور اس کی ہمہ گیر ذلت وخواری کا ایک بنیادی سبب اس کی نئی نسل کی بے راہ روی اور مسلم نوجوانوں کی دین بیزاری ہے، اس وقت جس تیزی کے ساتھ ہماری نئی نسل بے راہ روی کا شکار ہورہی ہے اسے دیکھ کر بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی تباہی کے سارے سامان اکٹھے کرلیے ہیں، بے حیائی اور فحاشی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، سیل فون کا آزادانہ استعمال شرم وحیا کی ساری حدوں کو توڑ رہا ہے، جوان لڑکوں سے لے کر کم سن بچوں تک فحاشی کے سیلاب میں بہتے چلے جارہے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے سیلفون کے عادی ہوچکے ہیں، جوان رات رات بھر اپنے موبائل پر دنیا بھر کی غلاظتوں میں غوطہ زن رہتے ہیں، سیل فون کا فتنہ کالجوں میں زیر تعلیم مسلمان بچیوں کی نہ صرف چادر عصمت کو تار تار کررہا ہے بلکہ انہیں دین وایمان کی متاع عزیز سے بھی محروم کررہا ہے، تعلیم یافتہ مسلم لڑکیوں کے غیر مسلم نوجوانوں کے ساتھ شادی رچانے کے واقعات تھمنے کا نام نہیں لے رہے ہیں، شاید ہی کوئی مہینہ ایسا گذرتا ہو جس میں کسی نہ کسی مسلم لڑکی کے اپنے غیر مسلم دوست کے ساتھ فرار ہونے کا سانحہ نہ پیش آتا ہو، علاوہ ازیں موبائل پر ویڈیو گیمز کی نئی نسل اس قدر عادی ہوتی جارہی ہے کہ کسی لمحہ خود کو اس سے دور رکھنا نہیں چاہتی، حتی کہ گھر کے بڑوں کے منع کرنے پر ان کے ساتھ تشدد پر اتر آرہی ہے، ابھی گذشتہ دنوں پیش آئے ایک تازہ واقعہ نے سب کے ہوش اڑا دیے، کرناٹک کے بیلگام ضلع میں ایک بیٹے نے پب جی گیم کھیلنے سے منع کرنے پر بوڑھے باپ کے تین ٹکڑے کرڈالے، پب جی اب تک دسیوں جوانوں کی جان لے چکا ہے، بیلگام ضلع کے کاکاتی گاؤں میں پب جی گیم کھیلنے سے منع کرنے پر ایک بدنصیب بیٹے نے اپنے ساٹھ سالہ باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بیشتر ویڈیو گیمز پر تشدد اور قتل وخوں ریزی کے مظہر ہوتے ہیں، اس قسم کے گیمز نئی نسل میں تیزی کے ساتھ مقبول ہوتے جارہے ہیں، ایسے گیموں کے عادی نوجوان اپنے روشن مستقبل سے بے خبر ہوکر زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کرتے نہیں تھکتے۔

جہاں تک وضع قطع اور لباس وپوشاک کی بات ہے تو اس حوالہ سے ہمارے نوجوان ساری حدوں کو پار کرتے جارہے ہیں، اسلامی وضع قطع سے بے زاری اور دشمنان اسلام کی نقالی فیشن کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، جب کہ اسلام ایک مستقل دین اور مکمل تہذیب ہے، اس کا اپنا طرز معاشرت اور لباس اور وضع قطع کا اپنا نظام ہے، جو سب سے پاکیزہ اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے، اسلام کسی مسلمان کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ وضع قطع میں دیگر شیطانی تہذیبوں کی نقالی کرے، ہمارے نوجوان سر کے بالوں کی

تراش خراش سے لے کر لباس و پوشاک تک ہر معاملہ میں اسلامی وضع قطع چھوڑ کر حیا باختہ تہذیب کو گلے لگا رہے ہیں، ڈاڑھی خالص مذہبی شئی ہے، لیکن ہمارے نوجوان ڈاڑھی کو بھی بطور فیشن اختیار کر رہے ہیں، کوئی فرنچ کٹ ڈاڑھی رکھ رہا ہے تو کوئی مسائد لاکس ڈاڑھی، جب کبھی کوئی نئی فلم ریلیز ہوتی ہے اور اس میں اداکار جس انداز کی ڈاڑھی یا بال رکھے ہوتے ہیں بس وہی فیشن بن جاتا ہے۔

اس وقت نوجوانوں میں عجیب ہیر اسٹائلس دیکھنے کو مل رہے ہیں، مشروم کٹ، سولجر کٹ، اسٹیپ کٹ، ہپی کٹ، بے بی کٹ، راؤنڈ کٹ، اسی طرح کٹورہ کٹنگ کا رواج بھی بہت عام ہے، نوجوان کٹنگ کے نام پر عجیب عجیب تماشے کر رہے ہیں، سر کے نچلے حصہ کے بال بالکل باریک اور اوپری حصہ کو بالکل چھوڑ دیا جا رہا ہے، بعض نوجوان سروں پر ڈیزائن بھی بنوا رہے ہیں، جدھر دیکھئے نوجوان اپنے سروں کو تماشہ بنائے ہوئے ہیں، جب کہ یہ ساری شکلیں شرعاً درست نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے سر کے کچھ بال کاٹنے اور کچھ چھوڑے رکھنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قزع سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد) اور قزع اس کو کہتے ہیں کہ سر کے بعض حصہ کے بال کاٹے جائیں اور کچھ کے چھوڑ دیے جائیں، نوجوانوں میں اپنے بالوں کو مختلف رنگوں سے رنگنے کا رواج بھی بڑھ رہا ہے، نیز خواتین اور لڑکیاں بھی بطور فیشن اپنے بال کٹوایا چھوٹے کروا رہی ہیں، خواہ سامنے سے ہو یا دائیں بائیں یا پیچھے کی جانب سے، اسی طرح بعض نوجوان لڑکیوں سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے سر پر چوٹی کی طرح بال رکھ رہے ہیں، جب کہ کچھ لڑکیاں اپنے بالوں کو کم کر کے لڑکوں سے مشابہت کی کوشش کر رہی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے لباس اور وضع قطع میں مردوں کو عورتوں سے اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد نبوی ہے: اللہ کی لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ (بخاری) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن نسائی) عورتوں کو سر منڈانے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ عورتوں کی زلفیں مردوں کی ڈاڑھی کی طرح ہیں، صورت و زینت میں جس طرح مردوں کے لیے ڈاڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا ممنوع ہے اسی طرح عورتوں کے سر کے بال کٹوانا شرعاً ممنوع ہے۔

کالج میں زیر تعلیم مسلمان بچیاں بری طرح سے تہذیبی ارتداد کا شکار ہو رہی ہیں اور اسلامی تہذیب سے کنارہ کش ہو کر مغربی طور طریقوں کو گلے لگا رہی ہیں، گھروں سے برقعہ پہن کر نکلا جاتا ہے جب کہ برقعہ کے اندر جنس، پینٹ اور ٹی شرٹ ہوتا ہے، کالج پہنچ کر برقعہ لپیٹ دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ لباس آدمی پر اپنا اثر چھوڑتا ہے، کالج کے مخلوط ماحول میں مسلم لڑکیوں کا یہ طرز عمل انہیں تباہی کے دہانے پر پہنچا رہا ہے، بہت سی بچیاں اپنی بھنوؤں کو خوبصورت بنانے کے لیے آئی بروں کے ذریعہ آس پاس کے بال تراش کر بھنوؤں کو کمان کی طرح باریک کرتی ہیں، ابرو نوچ یا تراش کر باریک سی لکیر بنا لینا یا دونوں بھنوؤں کو کمان کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا خلقت خداوندی میں تبدیلی پیدا کرنا ہے جو شرعاً درست نہیں، بہت سی لڑکیوں میں وگ یعنی مصنوعی بالوں کی ٹوپی لگانے کا بھی رواج بڑھ رہا ہے، اس طرح کی ٹوپیاں بعض عارضی ہوتی ہے اور بعض دائمی، حدیث شریف کی رو سے دونوں ممنوع ہیں، حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (بخاری) جسم پر ٹٹو بنوانے کا رواج بھی مسلم لڑکوں اور لڑکیوں میں خوب عام ہو رہا ہے، کوئی جسم پر پھول وغیرہ کا ڈیزائن بنواتا ہے تو کوئی جاندار کی تصویر بناتا ہے، گال اور ہونٹ پر مصنوعی تل بنانے کا رواج بھی ہمارے نوجوانوں میں خوب عام ہو رہا ہے، آرٹیفیشل داغ دے کر تل بنائے جاتے ہیں یا سوئی سے سوراخ کر کے سرمہ یا نیل وغیرہ بھر دیا جاتا ہے، یہ سب تغیر خلق اللہ ہے اور ممنوع ہے۔

مدنی زندگی میں آپ ﷺ کا طرزِ دعوت

محمد ارمغان بدایونی ندوی

آپ ﷺ کی مدنی زندگی، مکی زندگی سے بالکل جدا ہے، مدنی زندگی میں آپ کا طرزِ دعوت نہایت جامع اور متنوع ہے۔ مدینہ منورہ میں اصحاب ایمان کی معتد بہ تعداد تھی اور ہر صحابی آپ کے مشن کو فروغ دینے میں ہمہ تن منہمک تھا، اسی لیے مدنی زندگی میں دعوتی غرض سے آپ ﷺ نے اسفار کا سلسلہ بند کر کے ایک منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے مسجد نبوی کو اپنی مصروفیات کا مرکز بنایا، جہاں سے شاہان عرب وعجم کو دعوتی خطوط لکھ کر روانہ کیے جاتے تھے اور مختلف علاقوں میں اشاعت اسلام کی خاطر صحابہ کی جماعتیں روانہ کی جاتی تھیں۔ یہی مسجد آپ کی تمام تر دعوتی، رفاہی، اقتصادی اور سماجی سرگرمیوں کا محور ہوتی تھی، لوگوں کے مختلف قضیے یہیں حل ہوتے، ذکر و وعظ کی مجلسیں بھی یہیں سجتیں تھیں، بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی یہیں چلتا تھا اور اکناف عالم سے آنے والے وفود کے نفوس کا تزکیہ بھی اسی مبارک جگہ پر ہوتا تھا۔

سیرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب مدینہ منورہ میں طرح اقامت ڈال دی تو کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر آپ ﷺ کبھی اس شہر سے باہر نہیں گئے، مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس شہر سے ہٹ کر بجز عارضی جنگی ضرورتوں یا حج وغیرہ کے کہیں اور آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اور نہ سیرت وتاریخ ہی میں آتا ہے، یہیں قیام آخری عمر تک رہا، وفات شریف یہیں ہوئی اور یہیں مدفن ہے۔''

(سیرت نبوی قرآنی:۷۹)

گرچہ مدنی زندگی میں دعوت کی غرض سے اسفار کا سلسلہ ہمیں نہیں ملتا، لیکن آپ ﷺ عموماً فارغ اوقات میں مدینہ کی گلیوں، بازاروں یا کھیتوں کی طرف نکل جاتے تاکہ زمینی طور پر حالات سے آگاہ ہوں اور اگر کوئی عمل قابل اصلاح ہو تو بروقت اس کی نشاندہی فرمائیں۔ بلاشبہ آپ ﷺ کو تادم حیات دعوت کی عملی مصروفیات سے غیر معمولی شغف تھا۔

کتب حدیث کی ورق گردانی سے مختلف میدانوں میں آپ کی دعوتی کاوشوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

بازار میں:

مشہور روایت ہے کہ آپ ﷺ مدینہ کے بازار میں تشریف لائے اور ایک غلہ کی دوکان سے گذر ہوا، آپ ﷺ نے ان کے غلہ میں اندر تک ہاتھ ڈال کر غلہ کو جانچا تو نیچے کا غلہ گیلا اور اوپر کا سوکھا پایا، آپ ﷺ نے سخت تنبیہ کی اور فرمایا: ''تمہیں چاہیے تھا کہ گیلا غلہ اوپر رکھتے تاکہ لوگ دھوکہ نہ کھائیں۔''

آپ ﷺ نے مزید یہ بھی فرمایا: ''مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ'' (مسلم) (جس نے دھوکہ دیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)

مطوں میں:

ایک مرتبہ آپ ﷺ مدینہ کی گلیوں میں نکلے، راستہ میں ایک انصاری صحابی کے مکان سے گذر ہوا، جس کی بناوٹ عام گھروں سے کچھ جدا تھی، آپ ﷺ نے ساتھ میں موجود لوگوں سے مکان مالک کا نام پوچھا، لوگوں نے بتایا کہ یہ مکان ایک انصاری صحابی کا ہے، بات آئی گئی ختم ہوگئی، مگر آپ ﷺ نے اس چیز کو نوٹ رکھا اور جب وہ صحابی حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی جانب روئے سخن نہ فرمایا، حضور کا یہ عمل ان کے لیے نہایت کوفت کا باعث تھا، انہیں فکر لاحق ہوئی اور حضرات صحابہ سے حقیقت حال دریافت کی تو صحابہ نے پورا قصہ سنادیا، یہ سننے کی دیر تھی کہ وہ فوراً گھر گئے اور پوری عمارت زمیں بوس کردی۔

آپ ﷺ چند دن بعد پھر وہاں سے گذرے تو دیکھا کہ وہاں اب ایسی کوئی عمارت نہ تھی، حضور ﷺ نے صحابہ سے حقیقت حال

معلوم کی تو صحابہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! انہیں آپ کی خفگی کا علم ہوگیا تھا، اس لیے انہوں نے بلا کسی تامل اپنی عمارت منہدم کردی۔''

یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَىٰ صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا، إِلَّا مَا لَا يَعْنِي مَا لَا بُدَّ مِنْهُ" (یعنی ہر عمارت اس کے مالک کے لیے وبال جان ہے، سوائے اس کے کہ وہ بقدر ضرورت ہو) (أبوداؤد)

حضرت ابومسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے غلام کو کوڑے سے مار رہا تھا، اچانک میرے پیچھے سے ایک آواز آئی

''اے ابومسعود! جان لو، سمجھ لو۔''

وہ کہتے ہیں کہ شدت غضب سے میں آواز سمجھ نہ سکا، لیکن جب وہ میرے قریب ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ آپ ﷺ ہیں، آپ ﷺ نے قریب آکر فرمایا:

''ابومسعود! خوب یاد رکھو کہ اللہ کی ذات تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتی ہے، جتنی تم اپنے اس غلام پر رکھتے ہو۔'' (مسلم)

حضرت ابومسعود انصاریؓ نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! وہ اللہ کے لیے اب آزاد ہے۔''

اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَمَا إِنَّكَ لَوْلَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ" (أبوداؤد) (اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں جھلسا دیتی)

گذرگاہوں میں:

ایک مرتبہ مدینہ کی کسی گلی سے آپ ﷺ کا گذر ہوا، آپ ﷺ نے سرراہ لوگوں کو بیٹھے دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''چلتے راستہ پر بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا: ''اے رسول خدا! یہ تو ہماری ایک ناگزیر ضرورت ہے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر یہی بات ہے تو راستہ کا حق بھی ادا کرو۔'' لوگوں نے پوچھا: راستہ کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذَى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ" (نگاہیں نیچی رکھنا، موذیات ہٹانا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا)

قبرستان میں:

ایک موقع پر کسی خاتون کے پاس سے آپ ﷺ کا گذر ہوا، وہ ضعیفہ اپنے بچہ کی موت پر گریہ کناں تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کا پاس رکھو اور صبر سے کام لو۔'' وہ غم کی ماری رسول خدا کو نہ پہچان سکی اور جذبات میں کچھ سے کچھ کہہ گئی، مگر حضور ﷺ نے اس کو قطعاً ذاتی یا عین دین وشریعت کا مسئلہ بنا کر اس عورت پر تکفیر وتفسیق کے فتوے نہیں داغے، بلکہ آپ گذرتے چلے گئے، پھر لوگوں نے اس عورت کو بتایا کہ ابھی جس سے تو نے نازیبا لہجہ میں بات کی ہے، وہ خدا کے پیغمبر تھے، یہ سن کر وہ ضعیفہ بدحواس دربار رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنے گناہ کا صدق دل سے اعتراف کیا، آپ ﷺ نے صرف اتنا کہہ کر رخصت کردیا:

"إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ أَوَّلِ صَدْمَةٍ" (مسلم) (حقیقی صبر پہلی چوٹ پر ہی کرنے کو کہتے ہیں)

باغات میں:

ایک مرتبہ نبی ﷺ حضرات انصار میں کسی کے باغ تشریف لے گئے، باغ میں ایک اونٹ کھڑا تھا جو رحمت عالم ﷺ کو دیکھ کر بلبلا گیا اور آنکھوں سے آنسو نکل گئے، نبی ﷺ نے اس پر دست شفقت پھیرا جس سے وہ بالکل ٹھہر گیا، پھر آپ نے پوچھا: ''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟'' ایک انصاری صحابی نکل کر آئے اور بولے میں کہ میں اس کا مالک ہوں۔ آپ ﷺ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"أَفَلَا تَتَّقِي اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللَّهُ إِيَّاهَا فَإِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ" (أبوداؤد) (کیا تم ان جانوروں کے سلسلہ میں اللہ کا لحاظ نہیں رکھتے جس نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے، اس نے ابھی مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لیتے ہو)

اخلاقی گراوٹ

(مسلمانوں کے زوال کا ایک بنیادی سبب)

محمد نفیس خاں ندوی

دنیا کی محبت کا لازمی نتیجہ اخلاق کی پستی اور کردار کی گراوٹ ہے، عروج وزوال کے باب میں اخلاق کی اہمیت کو فلسفۂ تاریخ و اجتماع کے مشہور استاد علامہ ابن خلدونؒ نے یوں بیان کیا ہے:

"اذا تأذن الله بانقراض الملك من أمة حملهم على ارتكاب المذمومات، وانتحال الرذائل، وسلوك طرقها، فتفقد الفضائل السياسية منهم جملة، ولا تزال في انتقاض الى أن يخرج الملك من أيديهم، ويتبدل به سواهم ليكون نعيا عليهم في سلب ما كان الله قد آتاهم من الملك، وجعل في أيديهم من الخير۔"

(جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ملک چھیننا چاہتا ہے تو اس میں اخلاق ذمیمہ وعادات رذیلہ پیدا فرمادیتا ہے، پس وہ سیاسی خوبیوں سے محروم ہوجاتی ہے، جب اس کی حرماں نصیبی بڑھ جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے قبضہ سے ملک نکال لیتا ہے اور کسی دوسری قوم کو دے دیتا ہے، جس میں سیاسی خوبیاں پائی جاتی ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ ملک سے محرومی اور ان کے ہاتھوں سے حکومت کا نکلنا خود ان کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انھیں جو نعمتِ ملک وعزت عطا فرمائی تھی وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے سلب کرلی گئی)

مسلمانوں کی پوری تاریخ علامہ ابن خلدونؒ کے اس تجزیہ کی صداقتوں کی گواہ ہے۔

جب کوئی عام انسان عیش وعشرت کا دلدادہ ہوتا ہے تو وہ خود یا زیادہ سے زیادہ اس کا گھر تباہ ہوتا ہے، لیکن جب ارباب اقتدار طاؤس ورباب میں گرفتار ہوجائیں تو ملک تباہ ہوجاتا ہے، حکومت کی چولیں ہلنے لگتی ہیں اور پھر اپنے وجود کے بقا کے لیے وہ ظلم کا راستہ اختیار کرتا ہے جو اسے ہلاکت کی کھائی میں دھکیل دیتا ہے۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں کو ایسے امراء وحکام نصیب ہوئے جن میں سے اکثر اخلاق عالیہ سے دور تھے، بلکہ ان میں سے بعض اشخاص ایسے بھی ہوئے جن کے اندر جاہلی جراثیم ومیلانات بھی پائے جاتے تھے، قدرتی طور پر ان کی روح اور نفسیات کا اثر قومی زندگی پر بھی پڑا اور لوگ عموماً ان کے اخلاق واطوار کی تقلید کرنے لگے، دین کی نگرانی کم ہوگئی، احتساب کا مزاج اٹھ گیا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا زور کم پڑ گیا، جاہلیت کو اسلامی ممالک کے اندر سانسیں لینے کا موقع ملا اور اس نے اپنا سر اٹھایا، عیش وعشرت، ترفع وتنعم کی زندگی عام ہوگئی، عیش وعشرت اور لہو ولعب کی گرم بازاری ہوئی، لذت اندوزی اور نفس پروری کا غلبہ ہوا اور دنیا کی لذتوں کی ہوس بڑھتی گئی، کیونکہ پشت پر کوئی طاقت یا حکومت کی حمایت باقی نہ رہی، اس اخلاقی تنزل اور اس تفریحی انہماک کے ساتھ کسی قوم کے لیے قیادت کے منصب پر مدت دراز تک باقی رہنا بہت مشکل ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کا سرچشمہ ان کی ایمانی قوت اور ان کی للّٰہیت ہے اور قیادت کے منصب پر قیام ودوام ان کے اعلیٰ اخلاق سے ہی وابستہ ہے، مسلمان جب تک ان بنیادی صفات سے متصف تھے لوگ ان کے پھٹے پرانے کپڑے، ان کی پراگندہ حالی، بے بضاعتی اور جسم کی لاغری سے بھی لرز جایا کرتے تھے لیکن جب ان کا ایمان کمزور ہوا اور ان کا اخلاقی امتیاز باقی نہ رہا تو ان کی ظاہری شان وشوکت اور ان کے زرق برق لباس بھی غیر مؤثر ہوگئے۔

امیر الشعراء احمد شوقی نے بالکل درست کہا ہے۔

انما الأمم الأخلاق ما بقیت

فان هم ذهبت أخلاقهم ذهبوا

(قوموں کی بقا اسی وقت تک ہے جب تک ان میں اخلاق موجود ہوں، جب ان کے اخلاق ختم ہو جائیں تو ان کو بھی بقا نہیں)

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ سجستان کا بادشاہ رتبیل جو مسلمانوں کو خراج دیا کرتا تھا، یزید بن عبدالملک کے دور حکومت میں اس نے خراج دینے سے انکار کر دیا، جب خلیفہ کے قاصد اس کے پاس پہنچے تو اس نے قاصدوں سے دریافت کیا:

"مافعل قوم كانوا يأتون خماص البطون، سود الوجوه من الصلاة، نعالهم خوص؟ قالوا: انقرضوا. قال: اولئك أوفى منكم عهدا وأشد بأسا وان كنتم أحسن منهم وجوها."

(وہ لوگ کیا ہوئے جن کے پیٹ پچکے ہوئے تھے، جن کے چہرے نمازوں کی وجہ سے سیاہ تھے اور جو کھجوروں کی چپل پہنا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ لوگ گذر گئے۔ رتبیل نے کہا: اگرچہ تمہارے چہرے ان سے زیادہ خوبصورت اور شاندار ہیں لیکن وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند اور طاقتور تھے)

اموی سلطنت کو اخلاقی گراوٹ اور اسی عیش پرستی نے تباہ کیا، یوں تو اموی خاندان کے چودہ حکمرانوں میں سے دس شراب کے رسیا تھے مگر سلیمان اور یزید ثانی کی عیش پرستی، ہشام کی کنجوسی اور ولید ثانی کی شراب نوشی ضرب المثل بن گئی تھی، اسی عیش وعشرت کے سبب انھوں نے امور سلطنت سے بے اعتنائی برتی، جس کے نتیجہ میں رؤساء اور ارکانِ حکومت خودسر ہو گئے اور ان کے باہمی نفاق نے سلطنت کو اس قدر کھوکھلا کر دیا کہ ابومسلم خراسانی کی ایک ہی یلغار نے اموی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

عباسی سلطنت کی تاراجی بھی اسی عیش پرستی کا نتیجہ ہے، متوکل کے جانشیں آرام طلب، شراب کے متوالے اور بالکل لاابالی تھے، ان کے عیش وعشرت نے انھیں امور سلطنت سنبھالنے کے لائق نہ چھوڑا، وہ امراء کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے اور مملکت چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی، ایسی صورت میں خلافت عباسیہ کی تباہی یقینی تھی۔

عہد عباسی کے کامیاب اور مثالی حکمراں کے طور پر مامون الرشید کا نام پیش کیا جاتا ہے، اس کی علم نوازی اور فیاضی کا پورا اعتراف؛ تاہم اس کی اخلاقی حالت کا تذکرہ علامہ شبلی نعمانیؒ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"مغنیوں کے سوا ایک اور طائفہ تھا جس سے مامون کے جلسوں کی زیب وزینت تھی، روم واشیائے کوچک کی گل اندام نازنینیں جو لڑائی کی لوٹ میں پکڑ آتی تھیں؛ دلال ان کو سستے داموں پر خرید لیتے تھے اور موسیقی، شاعری، ایام العرب، خوشنویسی، ظرافت، حاضر جوابی کی تعلیم دیتے تھے، ان فنون میں کامل ہو کر وہ نہایت گراں قیمتوں میں بازار میں بکتی تھیں، مامون کے شبستان عیش میں ان خوروشوں کا ایک بڑا جھرمٹ رہتا تھا، جن کی خریداری اور تربیت نے خزانۂ عامرہ کو اکثر زیربار کر دیا تھا۔"

مسلم حکمرانوں کی اس اخلاقی گراوٹ، لہو ولعب اور عیش وعشرت کے مزاج کا طبعی نتیجہ یہ نکلا کہ مملکت کی بقا کے ستون پیوند خاک ہونے لگے اور سلطنتیں یکے بعد دیگرے فنا کے گھاٹ اترنے لگیں۔ کارکنان مملکت اور ارباب اقتدار کو تاریخ کی اس گونجتی صدا پر کان دھرنا چاہیے کہ ان کے اخلاقی انحطاط نے مملکتوں کو تباہ کر دیا اور نسل کی نسل کو غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ دیا۔

تاریخی شہادتیں کہتی ہیں کہ جب حکمراں عیش وعشرت کے راستہ پر چل نکلیں تو حکومتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں، اخلاقی انحطاط ہی ملکوں اور تہذیبوں کے زوال کا نقطۂ آغاز ہے، مشہور مؤرخ ول دیورانٹ کا تجزیہ بالکل درست ہے:

"A great civilization is not conquered from without until it has destroyed itself within."

(ایک عظیم تہذیب اس وقت تک باہر سے فتح نہیں کی جاسکتی جب تک وہ خود اندر سے اپنے آپ کو برباد نہ کر لے)

اصلاحی خطبات

رجوع الی اللہ کے اہتمام کی ضرورت

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

”جب قیامت کے قریب حالات خراب ہوجائیں، معاشرہ بگڑ جائے، بے دینی پھیل جائے، کفر اُمڈنے لگے، دشمنوں کی طاقتیں ہمارے خلاف استعمال ہونے لگیں تو اپنی فکر کرو، ذاتی اصلاح کی طرف متوجہ ہوجاؤ، آج صورت حال یہ ہے کہ جس مجلس میں بیٹھ جاؤ، جہاں چار آدمی جمع ہوجائیں، حالات کی خرابی کا شکوہ زبان پر ہوگا، تذکرہ کررہے ہوں گے فلاں نے یہ کردیا، فلاں نے یہ کردیا..... لیکن کیا جب ہم یہ تذکرہ کرتے ہیں تو خود بھی کبھی یہ سوچا کہ ہمارے اندر کیا خرابی ہے، ہمارے اندر کون سی کمی ہے جس کو دور کرنا چاہیے۔ اپنی اصلاح کی فکر ختم ہورہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر آدمی دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے، دوسروں کی فکر کرتا ہے، لیکن اپنی اصلاح کی فکر پہلے کریں، آپ حضرات جانتے ہیں کہ اصلاح میں تمام شعبے داخل ہیں، اس میں عبادات بھی داخل ہیں، معاملات بھی، اخلاقیات بھی داخل ہیں اور معاشرت بھی، لیکن کون ہے جو ان چار شعبوں میں اصلاح کی فکر کررہا ہو؟ کوئی عبادت کو دین سمجھ بیٹھا ہے، کوئی معاملات سے غافل ہے، آپ باہر جاکر دیکھیں تو رشوت خوری کا بازار گرم ہے، حلال وحرام کی فکر مٹ گئی ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد پامال ہورہے ہیں، اس کی فکر عوام میں زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسری چیز ہے رجوع الی اللہ، یہ شکوے تو ہر ایک کرتا ہے کہ بڑے برے حالات آگئے ہیں، لیکن اس شکوہ کے ساتھ کبھی اس طرح دعا کی جیسے مصیبت میں گرفتار ہونے والا کرتا ہے؟ اس وقت ہماری کیفیت بحیثیت مجموعی یہ ہے کہ ہم ایک کشتی کے سوار ہیں اور وہ کشتی طغیانیوں میں گھری ہوئی ہے، چاروں طرف سے پہاڑوں کی طرح موجیں آرہی ہیں، تو ایسی حالت میں اگر ہمیں اندیشہ ہو کہ کشتی ڈوب جائے گی، اس وقت کس اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ ہم اس کو پکاریں گے، ہر انسان جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو، وہ اللہ ہی کو اخلاص وتضرع کے ساتھ پکارے گا، تو کیا اتنی ہی بے چینی کے ساتھ کبھی ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور ایسی کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو اکثریت کا جواب نفی میں ہوگا، اگر ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں، بس یہ پیغام بھی پھیلانے اور پہنچانے کی ضرورت ہے کہ رجوع الی اللہ کا اہتمام کیا جائے۔“

(۱۹/۱۸۹-۱۹۱)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 13 ✦ June 2021 ✦ Issue: 06

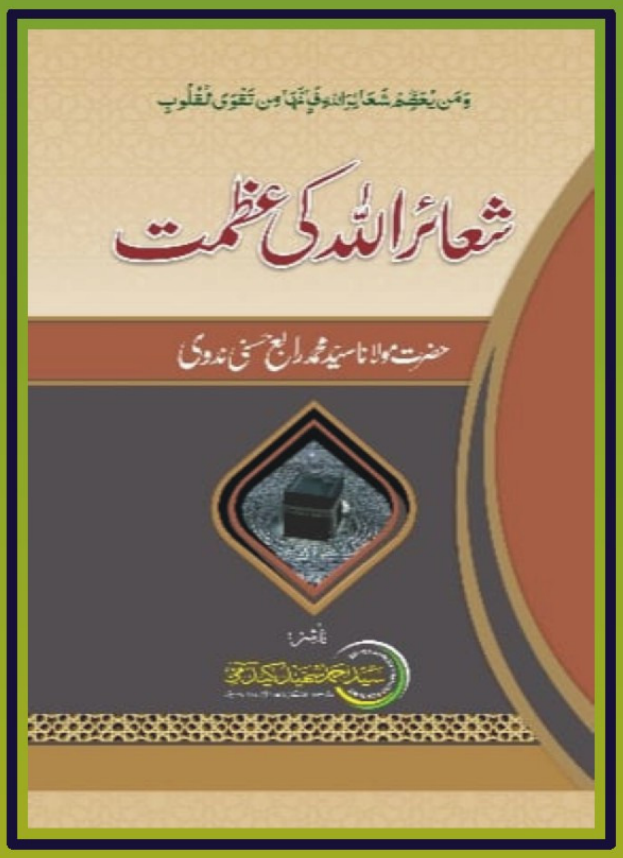

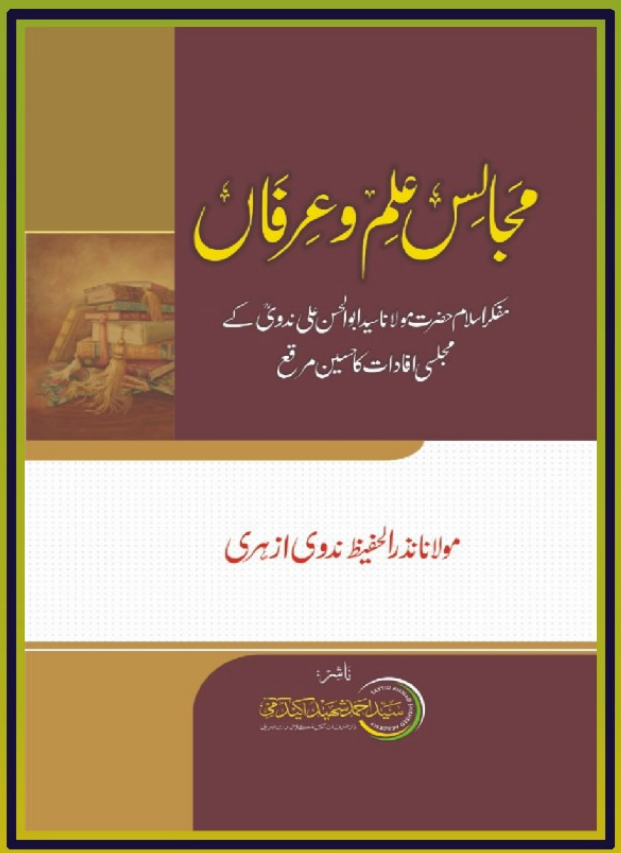

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)